روحانیت اور کارکنانِ تحریکاتِ اسلامیہ

جاوید اکبر انصاری

فاضل مصنف ماہر معاشیات ہونے کے ساتھ ساتھ ''فلسفہ' اخلاق'' اور ''الٰہیات'' پر بھی خصوصی نظر رکھتے ہیں۔ مغربی فکر و فلسفہ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تنقیدی نگاہ سے پرکھنے کا انہیں خصوصی ذوق عطا ہوا ہے۔ زیر نظر مضمون ان کی کتاب ''تصوف اور کارکنانِ تحریکِ اسلامی'' سے ماخوذ ہے جس میں احیائے اسلام کا درد رکھنے والے حضرات کے لیے نہایت قیمتی مواد موجود ہے۔ قارئین حکمتِ قرآن کے علمی ذوق کے پیش نظر مضمون کی کسی قدر لغوی کتر و بیونت کے علاوہ احادیث و اقوال کی تخریج بھی کی گئی ہے جس سے مضمون کی افادیت میں نمایاں اضافہ ہوگیا ہے۔ (ادارہ)

تعمیر شخصیت میں احساس (Feeling) کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ مغرب کے معاشرتی علوم اور فلسفہ' احساس کی عقلی اور مادی تشریح و تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نفسیات نے احساس کے مادی اور عقلی تجزیہ کے لیے متعدد سائنسی طریقے مرتب کیے ہیں۔ مغربی فلسفہ کا مرکزی دھارا احساس سے بالاتر ہوکر حقیقت تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مغربی فلسفہ (وجودیت اور رومانیت مکتبِ فکر کی چند تاویلوں کے علاوہ) احساس کو علم کا ذریعہ تصور کرتا اور اس کے مطابق احساسات اور میلانات عقلی تحقیق اور جستجو کو منفی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ اس لیے مغربی عقلیت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ تمام احساسات اور میلانات سے دامن چھڑا کر ہی انسان حقیقت کا معروضی مطالعہ اور مشاہدہ کرسکتا ہے۔ اس بات کو سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ کانٹ نے پیش کیا۔

اس کے برعکس علوم اسلامی میں احساس کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ احساس کا سرچشمہ قلب ہے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً' اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ' اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ)) (۱)

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب فضل من استبرأ لدینہ۔ وصحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب اخذ الحلال و ترک الشبہات۔

''جان لو کہ جسد انسانی میں خون کا ایک لوتھڑا ہے' وہ اگر درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے' اور اگر وہ فساد کا شکار ہو جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ آ گاہ رہو کہ وہ قلب ہے۔''

یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہیے کہ اسلامی دعوت بنیادی طور پر قلب کو مخاطب کرتی ہے۔ اسلامی عقلیت قلب کی فوقیت کو تسلیم کرتی ہے۔ قرآن مجید حضور اکرم ﷺ کے قلب پر اُتارا گیا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں محفوظ رہا' اور ہمارا حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بنیادی طور پر قلبی تعلق ہے۔ دماغ (Mind) قلب کے تابع ہے۔ اس لیے اہل دل ہی دعوت اسلامی کے فطری امام ہیں۔

احساس' قلبی عقلیت (Reason of the heart) کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ احساس حقیقت کے مکمل' فوری اور بلا واسطہ ادراک کا وسیلہ ہے۔ جس شخص کے احساسات پاک ہوں گے' اس کا حال درست ہو گا' وہ ان ماورائی حقائق تک وجدانی (Intuitive) رسائی حاصل کر سکتا ہے جو یا تو دماغی عقلیت (Reason of the mind) کی دسترس سے کلیتًا باہر ہیں یا ان کے قریب پہنچنے کے لیے دماغی عقلی مباحث نہایت پیچیدہ اور عمیق ہیں اور مکمل تیقن کے ساتھ ان مابعد الطبیعیاتی حقائق کا اثبات کبھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً خدا کے وجود کی کوئی بھی ایسی دلیل نہیں جس کو دماغی عقلیت کی بنیاد پر رد نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس کے برعکس جس وقت نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے دعوت پیش فرمائی تو انہوں نے اسے یوں قبول کیا گویا وہ اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ زمانہ قبل اسلام میں بھی حضرت والا کی قلبی کیفیت پاکیزہ تھی کہ حقیقت تک پہنچنے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ ہوتی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

''ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو اس کے روزوں اور نمازوں سے تم پر فوقیت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کے قلب میں ایک ایسی چیز ہے جو تم میں نہیں''۔(۱)

عقلیت قلبی اور عقلیت دماغی میں یہی بنیادی فرق ہے۔ عقلیت دماغی آہستہ آہستہ' قدم بقدم' جزواً جزواً حقیقت کا ادراک کرتی ہے۔ وہ اطلاع اور مشاہدہ کی بنیاد پر بتدریج معلومات کو جمع کرتی ہے اور ان سے منطقی نتائج اخذ کرتی ہے۔ اس کے برعکس احساس کے ذریعے ان بنیادی معروضات کا براہِ راست اور کلی مشاہدہ ممکن ہوتا ہے جو دماغی عقلیت کی رسائی سے پرے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن احساسات کی بنیاد پر اپنی دماغی عقلیت کو استعمال کیا وہ ان کی طہارت قلبی کے غماز ہیں۔ ابوجہل نے جن مفروضات کی بنیاد پر حضور اکرم ﷺ کی دعوت کو مٹانے کے لیے اپنی دماغی عقلیت استعمال کی وہ اس کی قلبی کثافت کے عکاس ہیں۔ زمانہ قبل اسلام میں ابوجہل شرابی' زانی' دروغ گو اور متکبر تھا' جبکہ حضرت صدیقؓ عفیف' پاک باز' صادق اور منکسر المزاج تھے۔ بہت کم صحابہؓ کو وہ حال میسر تھا جو حضرت صدیقؓ

(۱) اصل متن اور اس قول کی اسناد معلوم نہیں ہو سکیں۔ (ادارہ حکمت قرآن)

کو تھا۔ صحابہؓ کے حال بدل گئے‘ ان کی قلبی کیفیات بدل گئیں‘ لیکن ابوجہل کا دل نہ بدلا۔ اس کی دماغی عقلیت اس کے کافر دل کے تابع رہی‘ تاآنکہ وہ جہنم واصل ہو گیا۔

لوگ ایمان دل کے بدلنے کی وجہ سے لاتے ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ دماغی عقلیت قلبی عقلیت کے تابع اور اس کی ایجنٹ ہے۔ احساسات اور جذبات کے ذریعہ ان حقائق تک مکمل‘ فوری اور بلاواسطہ رسائی ممکن ہے جو دماغی عقلیت کی دسترس سے باہر ہیں۔ چونکہ ایمان دل کے بدلنے کا متقاضی ہے اس لیے احساسات کو پاک کرنا اور اس کے ذریعے سے لوگوں کے حال کو بدلنا دعوت اسلامی کے لیے اشد ضروری ہے۔ حال کی درستگی کے بغیر دماغی عقلیت کو اسلامی خطوط پر پروان چڑھانا ناممکن ہے۔

ہم نے جان بوجھ کر لفظ احساس کو حال کے قریب قریب ہم معنی لفظ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ احساس قلبی اور جسمانی کیفیات کے تعلق کو بیان کرتا ہے۔ قلبی اور جسمانی کیفیات کا تعلق نہایت پیچیدہ اور پہلودار ہے۔ اس تعلق کو سمجھنے کے بعد ہی یہ واضح ہو سکے گا کہ ہم جسمانی کیفیات کو جس طرح سمجھتے ہیں‘ قلبی کیفیات کو اس طریقہ سے کیوں نہیں سمجھا جا سکتا۔ نیز یہ بات بھی ہم پر واضح ہو گی کہ حال بدلنے کے لیے صرف جسمانی کیفیات اور ظاہری خدوخال کے تغیر پر کیوں اکتفا نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ قلب کا حال جسم کے حال سے ایک گونہ تعلق رکھتا ہے۔ جب غضب یا شہوت ہو تو جسمانی کیفیات بھی بدل جاتی ہیں۔ خون کی گردش‘ سانس کی رفتار‘ اعضاء کی حرکت میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس قسم کے تعلق کو مغربی نفسیاتی فلسفہ (بالخصوص ولیم جیمز) اپنی مادی تعبیرات کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جیمز کا دعویٰ ہے کہ مریض کے جذباتی ہیجان کا واحد سبب کیمیائی اور عضویاتی ناہمواریاں (Physiological imbalances) ہیں۔ موجودہ دور کی عمرانی اور نفسیاتی کرداریت (Behaviourism) بھی اسی بنیادی مفروضے پر کام کرتی ہے۔

لیکن کیا صحت مند دیوانوں کے وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ کیا یاسیت کی مادی تعبیر ممکن ہے؟......
روسی سائنس دان پچاس سال تک لینن کے دماغ کا مطالعہ کرتے رہے‘ لیکن اس کی ساخت میں کسی ایسی غیر معمولی خصوصیت کی نشاندہی نہ کر سکے جس کی بنیاد پر لینن کے عظیم انقلابی کارناموں کی کوئی مادی تعبیر پیش کی جا سکتی۔ آج نفسیات کے دونوں مرکزی دھارے یعنی Psycho-analysis اور Rational emotive psycho-therapy احساسات کی عضویاتی تعبیر کے انکاری ہیں۔

قلبی اور جسمانی کیفیات کے باہمی تعلق سے انکار نہیں کیا جا سکتا‘ لیکن یہ تعلق یک طرفہ نہیں ہے بلکہ قلبی کیفیات کی تشکیل میں جسمانی کیفیات کے علاوہ دیگر ماورائے جسم ذرائع کا بھی اہم کردار ہے۔ رؤیائے صادقہ کا ورود عموماً باوضو اجسام پر ہوتا ہے‘ لیکن باوضو ہونا رؤیائے صادقہ کے لیے نہ تو ضروری (necessary) ہے اور نہ کافی (sufficient)۔ لہٰذا احساس کو سمجھنے کے لیے بدنی‘ ماحولیاتی اور دیگر

مادی حالات کا سمجھنا کافی نہیں ہے۔ مادی تغیرات کا مشاہدہ صرف خارج (باہر) سے ممکن ہے' جیسے ایک ڈاکٹر ایک مریض کے جسم کا مطالعہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر جتنا مریض کے احساسات و جذبات سے لاتعلق ہوگا اس کی تشخیص اتنی ہی سائنسی اور معروضی ہوگی۔ لیکن اگر ڈاکٹر مریض کے احساسات اور جذبات کو سمجھنا چاہتا ہے تو خارجی مشاہدہ کافی نہ ہوگا' ڈاکٹر کو مریض سے ہمدردی اور اُنسیت کا ایک ایسا تعلق پیدا کرنا ہوگا جس کے نتیجہ میں وہ مریض کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے قابل ہو جائے۔

اس مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احساس کو سمجھنے کے لیے تعلقات کا استوار کرنا لازمی ہے۔ جن ہستیوں میں ایسے تعلق قائم ہو جاتے ہیں وہ ایک دوسرے کے وجود میں شرکت اختیار کر لیتی ہیں۔ دماغی عقلیت صرف اجسام کا مشاہدہ اور مطالعہ کر سکتی ہے۔ دماغی عقلیت کے ذریعے کسی غیر کے احساسات کا ادراک ممکن نہیں ہے۔ احساسات کا ادراک مقصود ہے تو غیر کو اپنانا ہوگا' اس کے وجود میں شریک ہونا پڑے گا۔ اجسام کے تعلقات خارجی اور مادی ہوتے ہیں۔ احساسات کو سمجھنے کے لیے اس خارجی سطح سے اوپر اٹھ کر روحانی تعلقات استوار کرنا ضروری ہیں۔

اس روحانی تعلق کو محبت کہتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سب سے بڑے مزاج شناس آپؐ کے سب سے بڑے عاشق بھی تھے' اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ کو شرکت غار اور شرکت لحد کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ کے مال کو اپنا مال سمجھتے تھے۔

محبت کرنے والوں کے وجود بلاشبہ جدا ہوتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے وجود میں شرکت اختیار کر کے مشترکہ ہستی کو قائم کرتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم میرے جسم کا حصہ ہو۔

وجود میں شرکت ایک دوسرے کے احساسات کے حقیقی ادراک کو ممکن بناتی ہے۔ خارجی مشاہدہ کے ذریعے اشیاء کا مطالعہ کیا جاتا ہے' لیکن احساسات کا حقیقی ادراک خارجی مطالعہ کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ احساسات کو سمجھنے کے لیے وجود میں شرکت ناگزیر ہے۔ اس شرکت کی بنیاد یا محبت ہوتی ہے یا نفرت۔ نفرت کرنے والا شاہد مشہود کے وجود کو تباہ کرتا ہے جبکہ محبت کرنے والا شاہد مشہود کو نمو بخشتا ہے۔

احساسات کے ذریعے حقائق کا داخلی مطالعہ ممکن ہوتا ہے۔ ہم حقائق تک رسائی احساسات کے ذریعے وجود میں شریک ہو کر حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی چیز کو ''اُدْخُلُوْا'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دینِ اسلام کو محض خارجی طور پر سمجھنا کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے اسلام میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے انسان کے جذبات و احساسات وہ ہونے چاہئیں جو اس کو کائنات کے اساسی حقائق تک مکمل رسائی کے قابل بنا سکیں۔ اگر ایسے احساس نہ ہوئے تو سالہا سال کے مطالعے اور مشاہدے کے باوجود وہ محض اسلام کا مداح بن سکے گا' لیکن اسلام میں داخل نہ ہو سکے گا۔ یہ کیفیت ان بہت سے

حضرات کی ہے جو تصوف کا جمالیاتی (Aesthetic) مطالعہ اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ان کو تصوف رہبانیت کی حسین قسم نظر آتی ہے جو بہت سی ایسی آلائشوں سے پاک ہے جنہوں نے ہندو' بدھ' عیسائی اور یہودی رہبانی سلسلوں کو آلودہ کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ تصوف کے مداح بن جاتے ہیں۔لیکن چونکہ وہ صوفیانہ تعلیمات و کردار کا محض خارجی مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو محسوس نہیں کرتے' لہٰذا اس کے ذریعے اسلام میں داخل نہیں ہو پاتے۔

احساس کی پرورش کے لیے تعلقات کا قیام و تسلسل ضروری ہے۔تصوف سے فیض کسی شیخ کی توجہ اور تصرف فی الذات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جب تک پیر و مرید اپنی ذاتی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے وجود میں شریک نہ ہوں وہ احساسات مرتب نہیں ہو سکتے جو تصوف کو دخولِ اسلام کا ذریعہ بنا دیں۔

احساس کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہے۔انسان محسوس جسم کے ذریعے ہی کرتا ہے اور احساس کی بنیاد وہ خواہشات ہی ہوتی ہیں جن کے ذریعے انسان دنیا میں تصرف کرتا ہے۔لیکن انسان خواہشات کو نفس کے روبرو پیش کر کے ان کو احساسات اور جذبات کی حیثیت دیتا ہے۔نفس خواہشات کی قدر کو متعین کرتا ہے۔وہ فیصلہ کرتا ہے کہ کن خواہشات کی تکمیل کن ذرائع سے جائز ہے اور کون سی خواہشات اور ذرائع حرام ہیں۔مثلاً خواہش حصول رزق کے بارے میں نفس یہ فیصلہ کرتا ہے کہ:

(۱) حصول رزق کی خواہش کی تسکین دوسری خواہشات (مثلاً حصولِ تقربِ الٰہی' حصولِ شہرت) کے ساتھ کس نوعیت کا تعلق رکھتی ہے؟

(۲) اس خواہش کی دیگر خواہشات کے مقابلے میں کتنی اہمیت ہے؟

(۳) کن حالات میں اس اہمیت میں کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے؟

(۴) حصولِ رزق کی خواہش کے کون سے حلال ذرائع ہیں؟

ظاہر ہے کہ ان سوالات کے جو جوابات ایک مؤمن نفس دے گا وہ ایک کافر یا فاسق نفس کے جوابات سے مختلف ہوں گے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ کافر' فاسق' مؤمن کے نفوس کی حالت اور کیفیت جدا جدا ہو گی اس لیے ان کا حال یا دنیا سے ان کے تعلق کی نوعیت جدا ہو گی۔مثلاً:

(۱) مؤمن اطمینان کی حالت میں ہو گا۔ وہ اپنے ربّ کے تمام فیصلوں سے راضی ہو گا اور اللہ کی رضا کی جستجو میں ہو گا۔ وہ صابر و شاکر ہو گا۔

(۲) کافر اضطراب کی حالت میں ہو گا۔ وہ اپنے آپ کو قدرت کے جبر سے مغلوب تصور کرے گا۔ وہ شہوت اور غضب کے ذریعے اس قدرتی نظام میں فساد پھیلا کر اپنی خدائی پھیلانے کی پیہم جستجو کرے گا۔

(۳) فاسق گومگو کی حالت میں ہو گا۔اس پر کبھی ایمانی جذبات غالب ہوں گے اور کبھی کافرانہ جذبات

غالب ہوں گے۔

اگر کافر یا فاسق کو مؤمن کی توجہ میسر آ جائے اور کوئی مؤمن اس کے ساتھ گہرے تعلقات استوار کرے (اس کی ذات میں تصرف کرے) تو عین ممکن ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے کافر اور فاسق کا حال بدل جائے۔ اسی طرح ان تینوں کے کائنات میں مقام بھی مختلف ہیں۔

(۱) مؤمن کا مقام عبدیت کا ہے۔ اپنے مؤمن بندے کو اللہ تعالیٰ نے خلافت فی الارض سے سرفراز فرمایا ہے۔

(۲) کافر کا مقام سرکش باغی کا ہے۔ وہ زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتا ہے اور اسے قائم رکھتا ہے۔

(۳) فاسق ایک گستاخ اور حکم ٹالنے والا ملازم ہے۔ وہ اللہ کو اپنا مالک تصور کرتا ہے۔ وہ اپنی عبدیت سے انکار نہیں کرتا لیکن مالک کا حکم بجالانے سے جی چراتا ہے اور گاہے گاہے کفر اور اپنے نفس کی بندگی بھی کرتا ہے۔

واضح ہوا کہ انسان احساس کے ذریعے کائنات میں اپنے حال اور مقام کو متعین کرتا ہے۔ حال اور مقام کا یہ تعین احساس کے ذریعے ان مابعد الطبیعیاتی حقائق تک رسائی کا محتاج ہے جن تک دماغی عقلیت تن تنہا کبھی نہیں پہنچ سکتی۔

کافر اور مؤمن دونوں اپنے زمانی و مکانی حال اور مقام کو احساس کی بنیاد پر متعین کرتے ہیں۔ مغرب کا یہ دعویٰ کہ مابعد الطبیعیاتی حقائق تک دماغی عقلیت کے ذریعے سے رسائی حاصل کی جاسکتی ہے' ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ مغربی فلسفہ کے پاس ایسی کوئی دلیل اور مغربی سائنس کے پاس ایسا کوئی مشاہدہ موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر وجہ تخلیق کائنات اور کائنات میں انسان کے مقام کا تعین کیا جاسکے۔

مغربی تہذیب کا ایک عام باشندہ عقائد کے فساد کا شکار ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر تک بیشتر عیسائیوں نے ان عقائد کے ایک حصہ کو رد کر دیا جو حضرت مسیح علیہ السلام لے کر آئے تھے اور جن کو حضرات حواریوں نے قبول کیا تھا۔ دوسری صدی سے چودھویں صدی تک کی مغربی عیسائیت حضرت مسیحؑ اور یونانی عقائد کا ایک مرکب بن گئی تھی۔ تحریک نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) اور تحریک اصلاح مذہب (Reformation) نے تو مسیحی عقائد کو تقریباً ''کلیتاً'' رد کر دیا اور یونانی عقائد اور افکار کی ایک مسیحی تشریح پیش کی۔ انقلاب فرانس کے بعد اس ظاہری' نمائشی عیسائی ملمع کاری کو بھی ترک کر دیا گیا اور ہیوم نے دہریت کے عقائد کی وکالت کی جو فی العمل یورپ کے عوام پر اثر انداز ہوئی۔

یورپی عوام کافر تو ہمیشہ سے تھے لیکن مسیحی تعلیمات کے زیر اثر قرون اولیٰ میں بہیمیت اور دہریت سے قدرے محفوظ رہے۔ ان میں عبدیت کا احساس موجود رہا' گو کہ یہ احساس صرف مذہبی امور تک ہی محدود تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر تک یہ احساس نہایت مجروح ہو گیا تھا اور ہیوم اور کانٹ کے فلسفوں

نے عبدیت کو بے دخل کر کے بغاوت (یعنی آزادی) کو یورپی عوام کا عمومی عقیدہ اور احساس بنا دیا۔ یوں ایک عام یورپی کا حال اور مقام تبدیل ہو گیا۔ اس کی زندگی میں اضطرار (Frustration or Angst) نے اطمینان کی جگہ لے لی۔ وہ عبدیت کے مقام سے گر کر مذہبی دائرے میں بھی خدا کا باغی بن گیا۔ اس مراجعت کی وجہ یہ تھی کہ ایک عام یورپی کانٹ اور ہیوم کے فلسفوں پر اسی طرح ایمان لے آیا تھا جس طرح ایک عیسائی انجیل پر ایمان رکھتا ہے۔ کانٹ اور ہیوم کے فلسفوں کے مابعد الطبیعیاتی مفروضے بھی ان کے احساسات پر قائم تھے نہ کہ کسی دماغی عقلیت کے فراہم کردہ شواہد اور دلائل پر۔

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ عقائد کا درست ہونا حال کے درست ہونے اور کائنات میں اپنا صحیح مقام پہچاننے پر منحصر ہے۔ حال درست اس وقت ہوتا ہے جب قلب ایمان باللہ اور اخلاص فی اللہ سے معمور ہو۔ اگر ایمان کمزور اور اخلاص ناپید ہو تو انسان کے احساسات ایسے نہ ہوں گے جو حال کی درستگی اور مقام کی اصلیت تک پہنچنے کے لیے مددگار ہو سکیں۔

موجودہ دور کے مغربی فرد کا المیہ احساس کی کثافت ہے۔ اس کا قلب شہوت اور غضب کے احساسات سے مغلوب ہے' اس پر اضطرار (Anxiety)' یاسیت (Boredom) اور مغلظ نفرت (Nausea) کی کیفیت بالعموم طاری رہتی ہے۔ احساسِ محرومی اور احساسِ تنہائی نے اس کو ابدی طور پر گھیر لیا ہے۔ عیسائی تعلیمات کے مطابق اضطرار انسان کا وہ ابدی ورثہ ہے جو اس نے پہلے گناہ (Original Sin) کی وجہ سے اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے۔ عیسائی مفکرین مثلاً Soren Kierkigard کے بقول آدم جنت میں اپنی تنہائی کی وجہ سے اضطرار میں مبتلا ہوئے اور پہلا گناہ کر بیٹھے۔ لہٰذا تنہائی اور اضطرار کا احساس مقدم اور دائمی ہے۔ ان احساسات سے دنیاوی زندگی میں نجات ناممکن ہے۔

مغربی دہریت بھی احساسِ اضطرار اور احساسِ تنہائی کی ابدیت سے انکار نہیں کرتی۔ دہریت فرد کو خدا بن جانے کی تلقین کرتی ہے۔ خدا بن جانے کا واحد ذریعہ حصولِ آزادی ہے۔ لیکن آزادی کا مطلب ہے تمام تعلقات کی نفی کرنا' خود کفیل ہو جانا۔ واضح ہوا کہ آزادی تنہائی کا دوسرا نام ہے' اور کچھ نہیں۔ چونکہ اضطرار اور یاسیت کی بنیادی وجہ تنہائی ہے اس لیے جیسے جیسے آزادی بڑھے گی انسان کا احساس محرومی' اس کا غضب اور شہوت قلب کو مسخر کرے گا۔

چنانچہ اضطرار مغربی انسان کا اساسی احساس ہے۔ مغرب وجود کی لغویت اور لامعنویت کا قائل ہے۔ وہ وجود کا واحد مقصد آزادی کے حصول کو قرار دیتا ہے اور چونکہ آزادی خود کچھ نہیں بلکہ صرف تعلقات کے عدم وجود کا نام ہے' لہٰذا وجود کچھ حاصل کرنے سے قاصر ہے۔

پھر خود آزادی کا حصول بھی ناممکن ہے۔ آزادی ناممکن الحصول ہونے کی دو وجوہ ہیں:

(۱) کوئی شخص بھی اپنے جینیاتی (Genetic) ورثہ اور اپنے تاریخی وقوع (Historic

(Situation کو خود متعین نہیں کر سکتا۔ میں ہمایوں اختر انصاری اور طاہرہ خاتون مینائی کا بیٹا ہونے پر مجبور ہوں۔ میں سورج مکھی (Albino) ہونے اور کوتاہ چشم ہونے پر مجبور ہوں۔ میں اپنے کسی ارادے کے بغیر مجبوراً ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو لکھنؤ میں پیدا ہو گیا اور میرے والدین بغیر میرے ارادے اور اجازت کے مجھے پاکستان لے آئے۔ ان تمام مجبوریوں کے پیش نظر میری آزادی کس قدر محدود نظر آتی ہے! نہ میں اپنا زمان و مکان خود متعین کر سکتا ہوں اور نہ اپنی صلاحیتیں خود منتخب کر سکتا ہوں۔

(۲) آزادی کو محدود کرنے والی اصل چیز موت ہے۔ میں عنقریب کسی ارادے کے بغیر مر جاؤں گا' پھر آزادی چہ معنی دارد؟

ان خیالات کو قبول کر کے ہر وہ شخص جو آزادی کی جستجو میں ہے' اپنی زندگی کو لامعنی بنا لیتا ہے۔ مثلاً مشہور جرمن فلسفی مارٹن ہائیڈیگر (Marten Heidegger) کہتا ہے کہ ''انسان اشیاء کو پاتا ہے' اشیاء کو تخلیق نہیں کر سکتا۔ وہ کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے''۔ اور بقول سارتر (Sartre) کون کس وقت کیوں کہاں پھینکا گیا ہے' یہ ہم نہیں جان سکتے۔ چونکہ انسان کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے اور چونکہ وہ کائنات میں تنہا ہے اور چونکہ اس کے وجود کو ایک دن ختم ہو جانا ہے اور چونکہ وہ واقعیت (Facticity) کی جکڑ بندیوں میں ازلی و ابدی طور پر جکڑا ہوا ہے اور چونکہ واقعیت کی جکڑ بندیاں صرف یہی نہیں ہیں کہ وہ اپنے جینیاتی ورثہ اور تاریخی وقوع کے بارے میں مجبور ہے بلکہ واقعیت اس بات کا بھی احاطہ کرتی ہے کہ وہ نیک ہے یا بد...... جس طرح وہ جینیاتی اور تاریخی وقوع کے اعتبار سے مجبور ہے اسی طرح میلانات کی پاکیزگی یا کثافت کے اعتبار سے بھی مجبور ہے...... لہٰذا نیکی اور بدی کے پیمانے بھی ازلی اور ابدی نہیں ہیں۔ موت وجود کو ختم کر دیتی ہے اور مغربی تصورات خیر و شر انفرادی موت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر موت وجود کو ختم کر دیتی ہے تو خیر و شر کے ایسے دائمی پیمانے جو ذاتی اخلاقیات پر محیط ہوں' پیش نہیں کیے جا سکتے۔ بالخصوص ان حالات میں جب فرد صرف حصولِ آزادی کو مقدم رکھتا ہو ہر وہ انفرادی فعل جائز ہوگا جس کے ذریعے موت کو مؤخر کیا جا سکے یا اس کو بھلایا جا سکے۔

موت کو اگر حیات کا اختتام تسلیم کر لیا جائے تو ہستی کو صرف ذکر کے ذریعے قائم اور مجتمع رکھا جا سکتا ہے۔ ذکر وسیلۂ عرفان اس لیے ہے کہ اللہ کی یاد ہم کو کائنات میں اپنے ابدی مقام (عبدیت) کی مسلسل یاد دلاتی ہے۔

ہستی کو قائم رکھنے کے لیے ذکر ضروری ہے۔ ذکر نیت کو مستحکم اور مصفا رکھنے کا ذریعہ ہے۔ ایمان اور عقیدۂ راسخ اس عمل کی بنیاد ہے جو ہستی کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ ہستی کو قائم رکھنے کے لیے لازم ہے کہ انسان حقیقت سے آشنا ہو اور آزادی' خود مختاری اور خود فریبی کے دوسرے سرابوں سے اپنے آپ کو محفوظ

کرے۔حقیقت عبدیت ہے‘ آزادی نہیں۔آزادی حقیقت کی نفی ہے‘ محض سراب ہے۔آزادی کا طلب گار اضطرار سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔وہ خدا سے بغاوت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کا احساسِ جرم ہمیشہ قائم رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لادین فلاسفہ (مثلاً ہائیڈیگر اور سارتر وغیرہ) تک نے اضطرار کو انسان کے دائمی حال سے تعبیر کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فلاسفہ حصولِ آزادی کو واحد جائز انسانی خواہش تسلیم کرتے ہیں۔

اضطرار کی بنیاد گناہ سے آگاہی ہے۔گناہ سے چھٹکارا اُس وقت ممکن ہے جب انسان عبدیت کی نیت کرے۔اللہ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے‘ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے‘ اس کو اضطرار سے نجات دلا دیتا ہے‘ اس کو مطمئن دل کی دولت سے نوازتا ہے۔اللہ اپنے بندوں کے قلوب کو آلائشوں سے پاک کر دیتا ہے اور ان کے قلوب کو ایسا مصفا آئینہ بنا دیتا ہے جس میں انوارِ الٰہی منعکس ہو سکیں۔حدیث قدسی بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((مَا وَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ‘ وَلٰکِنْ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ))(۱)

”میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں‘ نہ اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں لیکن اپنے بندۂ مؤمن کے قلب میں سما جاتا ہوں۔“

اشتراکی‘ لبرل اور قوم پرست آزادی کے طلبگار ہیں۔وہ اللہ کے باغی ہیں۔اشتراکیوں کا خیال ہے کہ طبقاتی کشمکش کے ذریعے تاریخ کے آخری سرے پر ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے جہاں ہر خواہش کی تسکین ممکن ہو گی۔اس معاشرہ میں اخلاقیات کی بحث لایعنی ہے‘ کیونکہ مکمل آزادی ہے اور کسی فعل پر قدغن کا تصور نہیں ہو گا۔انسان ہر اس چیز کی خواہش کر سکتا ہے اور ہر اس خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے جس کی وہ خواہش کرنا چاہتا ہے۔یہ سوال کہ انسان کو کس چیز کی خواہش کرنا چاہیے‘ اشتراکی‘ لبرل یا قوم پرست نقطۂ نظر سے ایک ناقابل تفہیم سوال ہے۔چونکہ ان تینوں نقطہ ہائے نگاہ کے مطابق حصولِ آزادی واحد مقصدِ حیات ہے اور چونکہ وہ انسان کو خدائی صفات کا مکلّف گردانتے ہیں‘ لہٰذا ان کے نزدیک ہر شخص کو مساوی حق ہے کہ وہ جو چاہتا ہے چاہے۔چونکہ خواہشات لامحدود ہیں لہٰذا لبرل‘ قوم پرست یا اشتراکی مثالی معاشرہ (Ideal Society) کا کوئی واضح تصور ممکن نہیں ہے۔بقول نطشے وہ محض لامعنویت کی ابدیت ہے۔

---

(۱) صوفیاء کے ہاں یہ حدیث قدسی بہت مشہور ہے لیکن محدثین نے اس کی صحت کا انکار کیا ہے۔اسے امام ابن تیمیہؒ نے مجموع الفتاویٰ (۳۸۴/۲) میں اور ملا علی قاریؒ نے الاسرار المرفوعہ میں نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے: لا اصل له او باصله موضوع۔امام البانیؒ نے اسے سلسلة الاحادیث الضعیفة (ح ۵۱۰۳) میں نقل کر کے لکھا ہے: لا اصل له ۔(ادارہ حکمت قرآن)

قوم پرست فکر میں لامعنوی ابدیت کے حصول کے لیے ایک فوق البشر شخصیت (Super Man) یا فوق البشر قومیت کی تعمیر ضروری ہے۔ ایک ایسی شخصیت یا قوم کا وجود جس کے پاس تمام کائناتی قوت مجتمع ہو اور جو خود خیر و شر کی تخلیق کرے۔

لبرل اس مقصد کے حصول کے لیے ذرائع پیداوار میں اضافے کو ہدف قرار دے کر سرمایہ داری اور جمہوری معاشرہ اور ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مقصود یہاں بھی یہی ہے کہ ہر فرد جو چاہے کر سکے۔

اشتراکی، قوم پرست اور لبرل نظریات کسی ابدی اخلاقیات کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ ان کا مقصد حصولِ آزادی ہے، اور چونکہ آزادی کچھ نہیں ہے صرف عبدیت اور دیگر تعلقات کی نفی ہے لہٰذا قدر کا اثبات کرنے سے قاصر ہے۔

لبرل اور اشتراکی قوم پرستانہ اخلاقیات کی بنیاد صرف انسانی خواہشات ہیں۔ نفس لوامہ خواہشات کو صرف احکامِ الٰہی کی بنیاد پر پرکھ سکتا ہے اور اگر احکامِ الٰہی سے انکار کر کے انسان خدا بن بیٹھے تو روح اور نفس کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور نفس امارہ، نفس لوامہ پر غالب آ جاتا ہے۔ کانٹ اور ہائیڈیگر دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ مثلاً ہائیڈیگر کہتا ہے:

''نفس لوامہ کی گفتگو (Dicourse) صرف خاموشی ہے۔''

وہ نفس جس کے احکام کی بنیاد خواہشات ہوں قدر کی پہچان اور علم و عرفان کے حصول سے قاصر ہے۔ قدر کا تعین صرف احکامِ الٰہی کی بنیاد پر ممکن ہے۔ امام غزالی کا ارشاد ہے کہ علم خشیت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی خشیت کو پروان چڑھا کر مؤمن اپنے حال پر مطمئن اور اپنی حقیقت اور اپنے مقام سے آگاہ ہوتا ہے۔ یہی آگاہی اس کو بندگیٔ رب کے لیے تیار کرتی ہے۔ گویا:

((مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ)) (۱)

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

اپنے نفس کی حقیقت کی آگاہی انسان کو عبدیت پر راضی کرتی ہے۔ اللہ کا بندہ ایسے حال میں ہوتا ہے جس میں وہ اپنے حقیقی مقام سے آگاہ ہو سکے۔ سائنس کے ذریعے وجود کی حیثیت اور اس کے کائناتی مقام کے بارے میں علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ عقلیت دماغی وجود کی نوعیت اور مقاصد حیات کی نشاندہی نہیں کر سکتی۔ ان امور کا عرفان عقلیت قلبی ہی کے ذریعے ممکن ہے، اور ذکر اللہ ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے حقیقت کی آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

---

(۱) صوفیاء کے ہاں یہ قول حدیث نبویؐ کے طور پر مشہور ہے، تاہم ائمہ حدیث مثلاً امام نووی، صغانی، ابن تیمیہ، ابن قیم، سیوطی، ملا علی قاری، زرقانی اور البانی ﷭ سب نے اس کے حدیث ہونے کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے: باطل لا اصل لہ۔ (ادارہ حکمت قرآن)

حقیقت کا شناسا محبت کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔ محبت مؤمن کی کیفیت اور اس کا اصل حال ہے۔ وہ محبت سے مغلوب ہوتا ہے جبکہ کافر و فاسق غضب اور شہوت سے مغلوب ہوتے ہیں۔ کافر صرف اپنے وجود (ذات) سے محبت کر سکتا ہے' وہ ہستی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ہستی کی بقاء اس بات پر منحصر ہے کہ وہ تمام تعلقات استوار کیے جائیں جو انسان کے حقیقی مقام کا تعین کرتے ہیں۔ ہستی کے بقاء کا وسیلہ محبت ہے...... پروردگار سے محبت جو کہ عبدیت ہے۔ بندوں سے محبت جو کہ رفاقت ہے۔ کائنات سے محبت جو کہ خلافت ہے۔

کافر پروردگار کی ربوبیت کا انکار کر کے خود پروردگار بننا چاہتا ہے اور اس جستجو میں دوسرے انسانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی باطل ربوبیت کی تلاش میں وہ کائنات کو مسخر کرتا ہے۔ کافر عبادت' رفاقت اور خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اس کا قلب شہوت اور غضب کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ اس کا مقام ایک سرکش باغی کا مقام ہے۔ کافر کی معاشرت اغراض کی معاشرت ہے۔ اغراض کی اس جستجو کو اس نے حقوق...... قومی حقوق' انسانی حقوق وغیرہ...... کا نام دیا ہے۔ اس کی سیاست حقوق کی سیاست ہوتی ہے' جس کا مقصد انسان کی ربوبیت یعنی جمہوریت کا قیام و استحکام ہوتا ہے۔

مؤمن حقوق کی سیاست کی نفی کرتا ہے۔ اس کی معاشرتی کاوش کا اصل سرچشمہ ادائیگی فرائض کی جستجو اور محبت کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ اس کی خلافت' عبدیت اور رفاقت کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ اس کا حال محبت اور اس کا مقام عبدیت ہے' وہ اپنے رب سے راضی ہے اور اس کا ربّ اس سے راضی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾﴾ (الفجر)

''اے نفس مطمئن! چل اپنے ربّ کی طرف' تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔''

۞۞۞

بقیہ: ترجمۂ قرآن مجید

بِهَا : اس سے	وَاِنْ : اور اگر
تَصْبِرُوْا : تم لوگ ثابت قدم رہو	وَتَتَّقُوْا : اور تقویٰ اختیار کرو
لَا يَضُرُّكُمْ : تو نقصان نہیں دے گی تم کو	كَيْدُهُمْ : ان کی چالبازی
شَيْـًٔا : ذرا بھی	اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
بِمَا : اس کا جو	يَعْمَلُوْنَ : یہ لوگ کرتے ہیں
مُحِيْطٌ : احاطہ کرنے والا ہے	

۞۞۞